عبیرہ احمد

پی ایچ ڈی سکالر (اردو)

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر عظمت رباب

ایسوسی ایٹ پروفیسر (اردو)

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

احمد جاوید کے نمائندہ خطابیہ اشعار

ABSTRACT

There are a number of styles in conversation. Oratorical Cadence (Khitabiah Aahang) is a style that encompasses both non formal conversation as well as rhetorical formal speech. Here is a brief account of oratory used in literature as a tool of effective conversation.

Ahmad Javed (born 1948) is an Islamic Scholor, Orator, Sufi and a prominent modern Urdu poet with an acknowledged and unchallenged stature among his contemporaries. Ahmad Javed has used oratorical style in a more unique manner. His oratorical verses are profoundly ornamented with carefully choosen expressions to rightly and more justifiably represent his philosophical and Sufi thought. Hid deep knowledge of eastern tradition and socio-cultural atmosphere of subcontinent together with expertise in oriental languages has made this study more engaging.

KEY WORDS: Oratorical Cadence (Khitabiah Aahang), Oratorical Style, Islamic Scholar, Sufism, Philosophy.

خطاب کا تعلق لہجہ واسلوب سے بھی ہے اور شاعری میں فلسفیانہ فکر کے ابلاغ سے بھی۔ اردو غزل کے ہر دور اور کم و بیش ہر اہم شاعر کے کلام میں خطابیہ آہنگ نظر آتا ہے۔ یہ آہنگ بے حد فطری اور انسانی طبیعت کا عکاس بھی ہے۔ خطاب کے مختلف لہجوں اور ہر دور کے شعرا کے مخاطبین کو ہی دیکھا جائے تو شعرا کے فکری رجحانات کے ساتھ ثقافتوں کی بھی بڑی مربوط تاریخ متشکل ہوتی نظر آتی ہے۔

انسان کی سماجی زندگی میں خطاب کی اہمیت یوں بھی بہت ہے کہ ایک فرد کی واردات اس کے ذریعے ایک بڑے عہد کو محیط ہو جاتی ہے۔ غزل کا خطابیہ لہجہ سوال کی جرات سے بھی جڑا ہوا ہے، اس میں خود کلامی، مناجات اور عاجزانہ اظہارات بھی ملتے ہیں۔ خدا سے دوبدو مکالمے کی صورت بھی نکلتی ہے۔ رشک اور قابت کا اظہار، منت وزاری کے رنگ، ناصح سے بیزاری اور دنیا سے بے رغبتی کے قرینے بھی نکلتے ہیں۔ غزل کے لامتناہی موضوعات میں خطاب کے لیے بے پناہ گنجائش ہے۔ اس مطالعے کا اسلوبیاتی پہلو بھی دل چسپ ہے اور موضوعاتی جائزہ بھی مرغوب۔

خطاب کے حوالے سے ایک یاد رکھی جانے والی بات یہ ہے کہ اس میں تعمیری پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ نفس مضون کی اہمیت شعر کے دیگر لوازم پر غالب رہتی ہے۔ مخاطب کو قائل کرنے کے بنیادی مقصد کے ساتھ خطابیہ آہنگ میں بالعموم تفریحی پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مخاطب کے وجود کے ارد گرد اس کا سارا تانا بانا بنا جاتا ہے۔ گویا جس قدر عمدہ اور منتخب مخاطبین ہوتے ہیں ویسا ہی اعلیٰ مضمون نکلتا ہے۔ ذاتی واردات کی پیش کش بھی خطابیہ آہنگ کا ایک اہم پہلو ہے۔ خطابیہ لہجہ سخن وری کو بامقصد اور تعمیری بنا دیتا ہے۔ خطاب کے لیے انگریزی میں مناسب ترین لفظ oration موجود ہے۔

> "The art of public speaking; or the exercise of this art in formal speeches for public occasions. A literary style resembling public speech and its formal devices may be called oratorical."(۱).

غزل میں ملنے والی خطابیہ لہجے کی مختلف صورتیں مندرجہ بالا تعریف کے برعکس زیادہ متنوع ہیں۔ بہر کیف مقرر کی آواز یا کسی اور ذریعے سے ایک بامعنی پیغام کی مخاطب تک ترسیل، اور اس پیغام پر ایک فوری یا موخر ردعمل خطاب کے بنیادی لوازم ہیں۔ وقت، مقام اور گفتگو کا پس منظر اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

اردو غزل کے تناظر میں خطابیہ لہجہ و آہنگ کی اس مختصر وضاحت کے بعد جدید اردو غزل کے ایک نمائندہ اور بے حد منفرد شاعر احمد جاوید کی غزل میں موجود خطابیہ آہنگ کے حامل اشعار کا جائزہ ان کے مخصوص شعری اوصاف کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔

باقی ترے سکوت سے ہے حرمتِ سخن
قائم ترے خطاب سے اعزاز خامشی(۲)

احمد جاوید کی شعری فکر کا تعلق احساس کے جمالیاتی منطقے سے ہے۔ ان کا شعر سراسر ذوق نظارگی سے عبارت ہے۔اس ذوق نظارگی میں جرات تقاضا بھی شامل ہو جاتی ہے تو شعر کا لطف دوچند اور معنی کی تہہ داری سہ آتشہ ہو جاتی ہے۔ یہ جرات اور حوصلہ پروری شاعر کو خود نگری پر آمادہ کرتی ہے۔ باطن کی کائنات صفحہ صفحہ احمد جاوید کے قرطاس شعر پر بکھری ملتی ہے۔ حواس ظاہری میں بصارت اور حواس باطنی میں قوت متصرفہ احمد جاوید کے خاص علاقے ہیں۔ شاعر کی حسن شناس آنکھ ظاہر کی دنیا کی رعنائی کی معترف تو ہے ہی، باطن میں حسن کی تجسیم نو اور تشریح و توصیف میں منہمک بھی ہے۔اس بیانیے کی دلیل میں نمونے کے کچھ خطابیہ اشعار دیکھیے کہ اس کے بعد لغات احمد جاوید کے کچھ دلچسپ پہلوؤں سے سیر چشم ہوا جائے۔

اے دل بتا اے چشم کہہ یہ روئے دلبر ہی تو ہے
یا ماہ چرخ ہفتمیں بالائے بام آیا ہوا[۳]

رخ محبوب کو آج تک خوب صورتی اور فاصلے کی مناسبت سے چاند سے تشبیہ ہزار ہا اشعار میں دی گئی ہے۔ احمد جاوید کا یہ شعر تشبیہ کی خوب صورتی سے ہٹ کر بھی کئی اعتبارات سے اہم ہے۔ شعر کی روانی کے ضمن میں ایک نکتہ یہ بھی قابل تعریف ہے کہ دو لفظی اور سہ لفظی تراکیب کے متواتر استعمال نے مصرع کو بوجھل نہیں ہونے دیا۔ کچھ اساتذہ شعر میں چار سے زائد تراکیب کے استعمال کو ناپسند کرتے ہیں۔ خود فارسی اور اردو شاعری پر کمال دسترس رکھنے والے شاعر نصیر ترابی نے فکر شعر پر اپنی کتاب "شعریات" میں اسی موقف کی تائید کی ہے۔ لیکن شعرائے اردو نے اس قاعدے یا صلاح کی کچھ خاص پروا نہیں کی۔ خود غالب کے یہاں شرح کی متقاضی بیسیوں تراکیب موجود ہیں اور اضافتوں سے پر اشعار کی بھی کمی نہیں۔ مندرجہ بالا شعر میں ماہ چرخ ہفتمیں، روئے دلبر اور بالائے بام میں اضافت کی قاعدے کی رو سے دو مختلف اقسام استعمال ہوئی ہیں جس سے شعر کے صوتی تاثر میں یکسانی پیدا نہیں ہوئی۔ اسی شعر کے پس منظر میں غزل کے ایک اور خطابیہ شعر کی رعنائی بھی ملاحظہ ہو:

تجھ پر پڑی یہ کس کی چھوٹ، اے چشم حیراں کچھ تو پھوٹ
کیا حد بینائی میں ہے وہ غیب فام آیا ہوا [۴]

اردو غزل میں خطابیہ آہنگ کی تلاش کی جائے تو ندائیہ لہجہ سب سے پہلے توجہ گیر ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کے عجیب رنگ اس تلاش میں شریک سفر ہوتے ہیں کہ ندائی لہجہ فی الفور سوال کا روپ ڈھالتا ہے۔ یہ ندا اور سوال ہی تو غزل کا سنگھار ہیں۔ غزل اپنی ادنی اور محدود ترین تعریف کی مطابق بھی بات چیت کی راہ ہموار کرنے کی آرزو کا شاخسانہ

ہی تو ہے۔ اگرچہ روایتی طور پر غزل کے اشعار کو اپنے منفرد مضامین کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ زیر بحث لایا جاتا ہے تاہم ایک موضوع کے پابند اشعار اور مسلسل غزلیات میں یہ پابندی اٹھائی بھی جاسکتی ہے۔ پہلے شعر میں "اے دل" اور "اے چشم" کے نام سے پکارے گئے مخاطبین کو دیکھیے تو دل ظاہر ہے کہ باطن بیں ہے اور چشم ظاہر بیں۔ ظاہر و باطن کی بصیرت اور بصارت مل کر فیصلہ سنائیں گے کہ نظارے میں وہی جلوہ گر ہے جس کا انتظار تھا اور جس کا آنا متوقع تھا یا وہ چاند نمودار ہوا ہے جو نظر آنے کا پابند ہے۔ یہاں تشبیہ بے حد واضح بلکہ پامال ہونے کے باوجود پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ خطاب کا قرینہ دیگر محسنات شعر پر غالب آجاتا ہے۔ محبوب کی خود مختاری اور چاند کا پابند فطرت ہونا بھی محبوب کو چاند پر فضیلت دیتا ہے۔ دوسرے شعر میں چشم حیراں کی حیرانی کا اعتراف کر لیا گیا ہے اور آنکھ کو چشم حیراں کے ٹائٹل سے مخاطب کرتے ہوئے سوالیہ لہجہ اپنایا گیا ہے۔ تحیر کی پہلی عطا خاموشی ہے۔ اس میں شعر کا سارا لطف پنہاں ہے کہ آنکھ جو متحیر ہو کر ساکت رہ گئی ہے اور کچھ بھی بتا پانے سے قاصر ہے اسی سے خطاب ہے اور جواب آنے کا امکان معدوم ہونے کے باوجود معاملہ واضح ہے۔

احمد جاوید کی اصطلاحات پر بات کی جائے تو اپنے کچھ خطابیہ اشعار میں غیب کی اصطلاح کو بھی انہوں نے خوب خوب برتا ہے۔ یہ بھی دل چسپ ہے کہ غیب کے لفظ کو وہ اکیلا استعمال میں نہیں لائے بلکہ تراکیب میں استعمال کر کے اس کی معنویت وسیع کیا ہے۔ ایک بے حد وحساب وسیع تصور کو مزید وسعتوں سے ہمکنار کرنا شعر کی دنیا کا کمال ہے۔ غیب سے مراد وہ تمام چیزیں لی جاتی ہیں جن کا علم عقل و حواس کے دائرے سے باہر ہے۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق وہ سب اطلاعات جو رسول کریم ﷺ نے پہنچائی ہیں، غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ رب العزت کی ذات وصفات، جنت و دوزخ کا بیان، تقدیر وغیرہ کا تعلق علم غیب سے ہے اس لیے اللہ کی ذات کو عالم الغیب کہا جاتا ہے۔ یہاں زیر نظر شعر کی تفہیم میں قاری کے لیے غیب اور غایب کے لطیف فرق کو مد نظر رکھنا بھی مفید ہوگا۔ موضوع سے منسلک رہنے کیلئے عالم غیب کے مذہبی تصورات کے ساتھ اس لفظ کی کچھ ادبی تشریحات کو دیکھ لینا بھی مناسب ہوگا۔ نصیر ترابی ہی کی کتاب شعریات کے مطابق "غائب میں دونوں جانب کا ہونا واجب ہے اور جانبین میں سے کسی ایک کا دوسرے کو نہ دیکھنا بھی لازم ہے۔ جب کہ غیب میں دونوں جانب کا موجود ہونا شرط نہیں ہے۔"(۵)

یعنی غیب کی دنیا میں جو اشیاء غیاب میں ہیں ان پر پڑے ہوئے پردوں کا بشری کوشش سے اٹھ سکنا محال ہے ۔ جانبین اپنی اپنی کائنات میں حاضر اور موجود ہیں لیکن درمیانی فاصلہ اتنا ہے کہ بہت بھی ہوا تو خبر ہی آسکتی ہے، وصل کی آرزو نہیں کی جاسکتی۔

دیکھ لینا جو کہیں موجہ ء باد سحری
چمنِ غیب سے اس گل کا پتا لایا ہو(۶)

احمد جاوید کی شعری فکر میں امر محال کی خواہش بار بار ملتی ہے۔ شعر کی دنیا میں یہ نئی چیز نہیں لیکن عموماً شعری اظہارات میں دنیا کی حدود میں پایا جانے والا حُسن منتہا و مقصود ہوتا ہے اور اسی کو پا لینے کی تگ و دو نظر آتی ہے۔ یہی حسن جو حواس کے دائرے میں سما سکتا ہے شاعر کی فکر اسے ایک الوہی پیرہن عطا کرتی ہے اور درمیانی کشش کو برقرار رکھنے کے لیے لاشعوری طور پر فاصلہ شاعر از خود تخلیق کر لیتا ہے۔ یہ کشش اور گریز شاعری کی روح ہے۔

احمد جاوید کا تصورِ حُسن حُسنِ حقیقی کے قریب تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجیحاً عشقیہ مضامین کو بھی بدنی معاملات کے بیان سے آلودہ نہیں کیا گیا۔ ذیل کے اشعار میں ان کا اشیاء و مظاہر کو سمجھنے اور وجود و عدم کو دیکھنے کا یہی رویہ کارفرما نظر آتا ہے۔

سنو سنو یہ ندائے ستارہ ء سحری
وجود کیا ہے، سرائے عدم میں شب بسری

جہاں جمال ہے منسوخ ، چشم و دل متروک
وہاں تو بے ہنری سیکھو اور بے بصری(۷)

احمد جاوید کی اصطلاحات پر بات چلی ہے تو "نظارے" کی اصطلاح کو بھی سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔ احمد جاوید کے کلام میں یہ ایک خوبی نظر آتی ہے کہ ان نازک مقامات پر جہاں اہم اصطلاحاتِ قرآنی استعمال کی گئی ہیں وہ لفظی آرائشوں کو باالالتزام اٹھا رکھتے ہیں اور بغیر کسی الجھاؤ کے مضمون کو نہایت اختصار اور سادگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

ترے نظارے کو سیکھی ہے میں نے
یہ انفس چشمی و کوتاہ بینی(۸)

سورۃ القیامہ آیات ۲۲، ۲۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اس روز بہت سے منھ رونق والے ہوں گے اور اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔"(۹)

"الیٰ ربھا ناظرہ" کے مختلف تراجم میں بلا حجاب رب کے دیدار کے معنی میں نظارہ کو لیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"نظر نے جو کچھ دیکھا، قلب نے اس کی تکذیب نہیں کی۔"(۱۰)

اس نگاہ شوق کی سلامتی کے آگے دنیا کے جلوے ہیچ اور شاعر کے دل کی دنیا آباد ہے۔

ذوقِ نظارہ سلامت چاہیے
جس طرف دیکھا وہ صورت دیکھ لی (۱۱)

یہ بھی عجیب ہے کہ قرآنی اصطلاحات کو احمد جاوید کی غزل میں مناجاتیہ رنگ میں نہیں برتا گیا جس سے بعض مواقع پر شعر کی کیفیت پر مجاز کا گمان گزرتا ہے۔ مذہبی مطالعات، فارسی و عربی ادب سے اکتساب، مسلم ثقافت اور اسلامی تہذیبی روایت شاعر کے وجود میں رچی بسی ہے۔ اصطلاحات کے پس منظر میں آباد علمی فضا سے مانوسیت پیدا کیے بغیر شعر میں رچا بسا یہ رنگ پیدا کر پانا محال ہے۔

مذکورہ غزل کے دیگر خطابیہ اشعار میں بھی صراحت کا یہی انداز پایا جاتا ہے کہ مصرع اولیٰ مکمل طور پر خطابیہ اور اپنے مکالماتی لہجے کی وجہ سے توجہ گیر ہے جب کہ مصرع ثانی میں نہایت لطیف نکات پر مشتمل صحائف کو مختصر تراکیب کی صورت اجمالاً پیش کر دیا گیا ہے۔ مخلوقات، عناصر اور مظاہر فطرت کو فطرت انسانی اور بشر کے مقام و مرتبے کے بیان کے لیے استعمال کرنا وہ نہایتِ فن ہے جو اظہارِ ہنر کا بنیادی مقصد ہے۔ انسانی کیفیات اور بشری استعداد، جبر اور اختیار کے ادق مضامین کو شعر میں سمیٹ لینا نہایت مشکل ہے۔ ذیل کے اشعار میں ایک ایک ترکیب معنی کے کئی دفاتر سمیٹے ہوئے ہے۔ لطف یہ ہے کہ ادق مضامین اور کائناتی مسائل کے پیش کنندہ اشعار بھی غزل کے قدیمی درونی سرور سے خالی نہیں۔ ان اشعار میں ادب اور سعادت کے کئی مقامات ہیں جن کی تفصیل اہل سلوک سے پوشیدہ نہیں۔

مجھے بھی عشق نے تعلیم کی ہے
سمندر مشربی و شعلہ دینی

وہاں جانے سے پہلے سیکھ رکھو
نگفتہ کوشی و نادیدہ بینی

نظام مزرع دل ہم سے پوچھو
ستارہ کاری و خورشید چینی

دیکھا لائیں گے تم کو بھی کسی دن
بلا خیزی بمع ساکت نشینی

یہ دل بھی ہے شگفتن خواہ کب کا
نسیم رحمتہ العالمینی (۱۲)

وقت اور فاصلے کو بھی احمد جاوید انسانی وجود کے پیمانے سے ماپتے ہیں۔ یہ سوال یہاں بھی واضح ہے کہ کائناتی حقیقتوں کو وجود انسانی کے تابع رکھا گیا ہے یا انسانی مجبور محض ہے۔

اے نگاہ دور گرداں تیری ہر گردش کے ساتھ
دور جا پڑتے ہیں خود سے بھی ہزروں میل ہم (۱۳)

بحیثیت مجموعی طبع شاعر کا وطن باطن کی وہی کائنات ہے جس میں دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مزرع دل کی ستارہ کاری و خورشید چینی ہی زندگی کی اصل اور اساس ہے۔

اے صبا سعی شگفت دل نہ جائے رایگاں
دے رہے ہیں اس شگوفے سے چمن تشکیل ہم (۱۴)

اردو غزل میں تواتر سے دہرائے گئے مضامین اور اردو شعرا کے پسندیدہ مخاطبین کے لیے بھی احمد جاوید روایتی بیانیے میں نئی گنجائش پیدا کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک وضع خاص پر اصرار یہاں بھی وجود ہے۔ وہ قاتل ادا محبوب کی دھمکی اور واعظ کی نصیحت آموزی کو زیادہ خاطر میں نہیں لاتے۔ ان اشعار میں کلاسیکی غزل کے روایتی کرداروں کے لیے شاعر کی عدم دل چسپی بھی مترشح ہوتی ہے۔

بے سلیقہ ہوکے سر دینا ہے ننگ عاشقاں
ٹھیر جا پیارے کہ اتنے باندھ لیں مندیل ہم

واعظا مجمل مفصل رٹ کے جو پھولا ہے تو
تجھ کو دیکھیں گے مع الاجمال و التفصیل ہم (۱۵)

احمد جاوید کے خطابیہ اشعار میں کہیں کہیں ایک عمومی اور عوامی لہجہ بھی نظر آتا ہے۔ یہاں بھی انسان کی ہستی، بقا، فنا اور وقت کے تصورات ملتے ہیں لیکن ایک سرسری سے ناصحانہ انداز میں۔ وہ دل سوی و دل گدازی یہاں کم ہوتے ہوتے بالکل مدہم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جیسے ایک طویل خطاب اپنے اختتامی کلمات کی طرف بڑھ رہا ہو اور بیان کا خلاصہ مختصر ترین الفاظ میں دہرایا جائے۔

ہستی سے غفلت ہی اچھی لوگو مر جانے تک
اس دریا میں پاؤں نہ رکھان پار اتر جانے تک

دل کو خوب اجالتے رہنا، دیکھتے بھالتے رہنا
کوئی سورج ڈھالتے رہنا رات گزر جانے تک(۱۶)

خطابیہ لہجے کی متنوع صورتوں پر بات کرتے ہوئے قاری کو شاعر کے مزاج کا یہ شگفتہ پہلو بھی ملحوظ رہے جہاں دو جہان کی فکر اور آفاقی مسائل کی تفہیم اپنی قدر کھو دیتے ہیں اور فکر شاعر فقط محبوب کے رنج فراق تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

اے صبا لانی ہے اس گل کی خبر تو لے آ
ہم سے اب تو یہ ابھی لائی نہ کر (۱۷)

احمد جاوید کے کلام میں ایک اور پر لطف قرینہ شاعر کے نام مکمل اظہارات اور اخفائے معنی کی شعوری کوشش بھی ہے۔ ایسے اشعار بار دیگر خواندگی کا تقاضا کرتے ہیں اور قاری اپنے ذوق و استعداد کے مطابق ان سے فیض پاتا ہے۔

یہ جو اک چیز ترے دل میں ہوئی ہے پیدا
اس کو شرمندہ خاموشی و گویائی نہ کر (۱۸)

حوالہ جات

1. Chris Baldic. *Oxford Concise Dictionary of Literary Terms*. (New York: Oxford University Press.: 2002) P178

۲۔ احمد جاوید۔ تقریباً۔(لاہور: خیال پبلی کیشنز، اکتوبر ۲۰۲۲ء)ص ۹۱

۳۔ ایضاً ۔ص ۵۱

۴۔ ایضاً ۔ص ۱۹۹

۵۔ نصیر ترابی۔ شعریات۔(پیراماؤنٹ پبلشنگ انٹرپرائز، اشاعت دوم، ۲۰۱۳ء)ص ۱۹۹

۶۔ احمد جاوید۔ تقریباً۔(لاہور: خیال پبلی کیشنز، اکتوبر ۲۰۲۲ء)ص ۶۳

۷۔ ایضاً ۔ص ۱۹۹

۸۔ ایضاً ۔ص ۵۸

۹۔ شبیر احمد، سید، مولانا(مرتب)۔ قرآن حکیم۔(لاہور: قرآن آسان تحریک۔ ستمبر ۲۰۰۶ء) ص ۱۰۴۴

۱۰۔ ایضاً ۔ص ۹۲۰

۱۱۔ فانی بدایونی۔ کلیات فانی۔(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)ص ۱۹۳

۱۲۔ احمد جاوید۔ تقریباً۔(لاہور: خیال پبلی کیشنز، اکتوبر ۲۰۲۲ء)ص ۵۸،۵۹

۱۳۔ ایضاً ۔ص ۷۹

۱۴۔ ایضاً ۔ص ۷۹

۱۵۔ ایضاً ۔ص ۷۵

۱۶۔ ایضاً ۔ص ۷۹

۱۷۔ ایضاً ۔ص ۸۲

۱۸۔ ایضاً ۔ص ۸۲

Bibliography

Ahmad, Shabbir,Syed. Quran e Hakeem.Lahore: Quran Asaan Tehreek. 2006

Badayoni, Fani. Kulliyat e Fani.Lahore: Sang e Meel Publications.2007

Baldic Chris.Oxford Concise Dictionary of Literary Terms.New York: Oxford University Press.2022

Javed, Ahmad.

Taqreeban.Lahore.Khiyaal Publications.2022

Turabi, Naseer. Sheriaat. Karachi: Paramount publishing interprises. 2013